قرآن مجید کی عظمت و بلندی، الفاظ و معانی اور فصاحت و بلاغت پر نزول قرآن کے وقت غیروں کی شہادت بڑا وزن رکھتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر یہ شہادتیں نہ ہوتیں تو خدانخواستہ قرآن کی افادیت یا عظمت پر کوئی حرف آجاتا ایسا ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے۔

(۱) ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے ابن عم جو بہت بوڑھے نصرانی تھے اور جاہلیت میں شرک سے تائب ہو چکے تھے جب قرآن کی پہلی پہل آیات سنیں تو کہا یہ کلام اسی طرز کا کلام ہے جیسے موسیٰ پر اترا تھا۔ (بخاری)

(۲) ولید بن مغیرہ جو کافر رہا اور کفر ہی پر مرا کتب ادب و تفاسیر میں اس کے یہ الفاظ منقول ہیں ان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمغدق اس کا اوپر کا حصہ پتے والا سرسبز ہے اور حصہ زیریں وان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ پھل والا ہے۔ اس میں ایک رونق پائی جاتی ہے اور اس پر ایک شیرینی ہے۔

مکہ کی ۱۳ سالہ زندگی میں قرآن عزیز ہی سب سے بڑا ہتھیار تھا جس سے آنحضرت صلعم مقابلہ کر رہے تھے اور مجبوراً معاندین کو سپر ڈال دینی پڑتی تھی۔ یہی ولید متفقہ رائے سے بھیجا گیا تھا کہ جا کر قرآن اور صاحب قرآن کے اثر کو کم کرے مگر باوجود ان کوششوں کے قرآن کی سیادت اور کلام کی جہانگیری رک نہ سکی۔ ولید قرآن کی حقیقت جاننے کے باوجود آخر تک ضد پر قائم رہا چنانچہ اسی کے رد میں قرآن کی آیات ذیل نازل ہوئیں۔

"ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا" الی آخر السورۃ۔

حواشی حضرت شیخ الہند میں ہے کہ ولید ایک بار آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے قرآن پڑھ کر سنایا جس سے کسی قدر متاثر ہوا مگر ابوجہل نے اس کو ورغلایا اور قریش میں چرچا ہونے کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہو گی غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارہ میں گفتگو ہوئی کسی نے شاعر کہا کسی نے کاہن بتلایا۔ ولید بولا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی بہت سنی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر تیری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ فدا سحر یؤثر

لے فتح البیان

خرتیور بدل اور منہ بنا کر کہا کچھ نہیں جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ حالانکہ پیشتر قرآن سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض برادری کو خوش کرنے کے لئے اب یہ بات بنادی سورۂ مدثر میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔

(۳) اسی طرح قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا تاکہ جاکر صاحب قرآن مشورہ دے کہ دعوت قرآن ترک کردی جائے۔ ہم لوگ اس کے صلہ میں محمد صلعم اور اس کو قریش کا سب سے بڑا مالدار وغیرہ بنادیں گے چنانچہ عتبہ نے نہایت عجیب وغریب انداز میں گفتگو کی اور آپ غور سے سنتے رہے اس کے بعد آپ نے فرمایا میں بھی کچھ پڑھ رہا ہوں اسے بھی سن لے پھر آپ نے

حمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ

آيَاتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا الخ سجدہ تک تلاوت فرماکر ایک لمبا سجدہ فرمایا اس کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ عتبہ کا رنگ فق ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو نے جو کچھ کہا میں نے سنا اور جو میں نے تلاوت کیا تو نے سن لیا بتا اب کیا رائے ہے؟

عتبہ خاموشی کے ساتھ چل پڑا۔ حیرت زدہ اور فکر میں ڈوبا ہوا۔ قریش نے دیکھ کر تاڑ لیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے "نحلف باللہ لقد جاءکم ابو الولید بغیر الوجہ الذی ذھب بہ" قسم خدا کی ولید تمہارے پاس آرہا ہے مگر وہ چہرہ مہرہ نہیں ہے جو لے کر گیا تھا چنانچہ آتے ہی بول اٹھے کہ عتبہ کیا بات ہے؟ قال ورائی انی سمعت قولا واللہ ما سمعت مثلہ قط واللہ ما ھو بالشعر، ولا بالسحر، ولا بالکھانۃ الخ ...... اور یہ مشورہ دیا کہ اے قریشیو میری بات مان لو اور محمد صلعم کا راستہ مت روکو میں نے خدا کی قسم ایک ایسی چیز سنی ہے جو بہت بڑی خبر دے رہی ہے اگر اس پر عرب غالب آگئے تو تمہارا کام ہوگیا اور اگر وہ خود عرب پر غالب ہوگیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا اور اس کی عزت عین تمہاری عزت متصور ہوگی اور تم اس کی نظروں میں بہترین انسان بن جاؤ گے ـــــ یہ تقریر سن کر قریش برہم ہوگئے اور افسوس کا اظہار کیا

اور سحرک واللہ یا ابا الولید بلسانہ" کہتے ہوئے ہٹ گئے۔ عتبہ نے کہا۔

هذا لسانی فیکم فاصنعوا ما بدالکم یہ میری زبان ہے تمہارے جی میں جو آئے کر گذرو

(۴) نضر بن حارث مقیم حیرہ بڑا ذہین و فہیم شخص تھا۔ سیاحی کرتے ہوئے بلادِ فارس میں پہنچا اور فارسی زبان میں مہارت پیدا کی قریش نے اس کو اپنایا اور دعوتِ اسلام و تاثیر قرآن کے کم کرنے کے لئے یہ دوسرا قدم اٹھایا گیا چنانچہ نضر بن حارث نے معیارِ حسن کلام داستان گوئی قرار دے کر قیصر و کسریٰ اور رستم و اسفندیار کے قصوں کو کعبہ میں سنانا شروع کیا اور یہاں تک بولتا تھا کہ محمد (صلعم) کیا مجھ سے عمدہ بات لاتے ہیں؟

جواباً آں حضرت صلعم نے سورۃ (ن) کی آیات ذیل تلاوت فرمائیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ - الی آخر سورۃ القلم۔

عجیب بات کہ نضر لوگوں کو اپنے قصوں میں پھنساتے ہوتے تھا مگر لوگوں کے دل قرآن مجید سن لینے کے بعد اسی طرف متوجہ تھے اور روز بروز قرآن دلوں کی بستی آباد کرتا جا رہا تھا حسب تصریح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نو آیتیں اسی نضر بن حارث کے بارے میں اتری ہیں اور جہاں کہیں قرآن میں "اساطیر الاولین" آیا ہے اس سے اسی کے قصوں کی جانب اشارہ ہے اسی طرح ایک اور طریقہ قرآن کے اثر کم کرنے اور نبی کی دعوت کو ناکامیاب بنانے کے لئے اختیار کیا گیا اور ایسے سوالات حسب تصریح ارباب سیر مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے کئے جو در حقیقت مشکل تھے اور قاصر الفہم بالخصوص معاندین کے لئے تو البتہ سوہان روح ہو سکتے ہیں مگر ایک نبی کے لئے جس کو ہر طرح کی تائید ایزدی حاصل ہو کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے تھے، صحیحین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود مدینہ نے آں حضرت صلعم سے روح کے متعلق سوال کیا تھا اسی بناء پر آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

قرآن عزیز نے سورہ بنی اسرائیل میں یہود وغیرہ کے سوال کا جواب بھی صفائی سے دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ	تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو۔ کہدے روح ہے
مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ	میرے رب کے حکم سے اور تم کو تھوڑی سی
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا	خبر دی ہے۔

ان مختصر اور جامع الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارفِ کامل کی راہِ طلب و تحقیق میں چراغ ہدایت ہیں۔ بہرحد میں اس کی حقیقت و ماہیت کے سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہیں بتایا اور نہ پیغمبروں نے کبھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں کہیں بس اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی وہ مرگیا۔

روح کے سلسلہ میں اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق بھی سوالات تھے سورۃ الکہف میں بڑی تفصیل سے ان کا جواب دیا گیا اور قریش کا رد کیا گیا کہ پھر تردید اور جواب کی جرأت نہ ہوسکی اور سب متحیر ہو کر رہ گئے۔

(۵) ان تمام تدبیروں کے بعد قریش نے زبردستی لوگوں کو قرآن پڑھنے سے روکنا شروع کیا مگر چپکے سے پھر بھی سننے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ابن اسحٰق نے ایک قصّہ لکھا ہے کہ ایک رات ابوسفیان، ابوجہل اور اخنس چپکے سے نکلے کہ آنحضرت صلعم راتوں کو جو قرآن تلاوت فرماتے ہیں اس کو سنا جائے غرض پہلے یا یا کہ ہر شخص الگ الگ سنے۔ اور پھر پوری رات قرآن مجید کے سننے میں گذار دی جب صبح ہونے آئی منتشر ہوگئے۔ جب تمام اکٹھا ہوئے تو ملامت کرنے لگے کہ اب ایسا نہ کرنا چاہئے اگر عام لوگ دیکھ لیں گے تو نہ جانے کیا کیا خیالات اپنے دل میں قائم کرلیں گے۔ یہ قصّہ تین راتیں مسلسل ہوا صبح کو اخنس چھڑی لئے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور پوچھا۔

اخبرنی یا ابا حنظلۃ عن رأیك فیما	اے ابوحنظلہ بتاؤ محمد سے جو تم نے سنا ہے اس
سمعت من محمد صلعم، فقال یا ابا	کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے
ثعلبۃ واللہ لقد سمعت اشیاء	ابوثعلبہ خدا کی قسم میں نے ایسی چیزیں سنی ہیں جن

اعرفها واعرف ما يراد بها وعرفت	کو میں سمجھتا ہوں اور اس کی مراد سے بھی واقف ہوں
اشياء ما عرفت معناها ولا ما	اور بعض ایسی باتیں سنی ہیں جن کو نہ میں نے سمجھا
يراد بها قال له الاخنس وانا	اور نہ اس کی مراد تک رسائی ہے جواباً اخنس نے
والذي حلفت به كذلك	اس سے کہا کہ میں بھی ایسا ہی حلفیہ کہتا ہوں۔

اس کے بعد ابوجہل کے پاس آئے اور یہی سوالات کئے اس نے لمبی تقریر کے بعد کہا۔

والله لا نؤمن به ابداً ولا نصدقه	قسم خدا کی ہم نہ کبھی اس پر ایمان لاویں گے اور نہ اس
فقام عنه الاخنس وتركه	کی تصدیق ہی کروں گا۔

یہ بات سن کر اخنس کو برا معلوم ہوا تھا اور اس کو چھوڑ کر چل دیا۔

غرضیکہ قریش جس قدر قرآن کے اثر کم کرنے کی سعی کرتے اسی قدر قرآن لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جاتا تھا۔ بھلا عصبیت جاہلیہ اور اقتدار پرستی کے زعم باطل میں کہاں سے یہ طاقت آسکتی تھی جو قرآن کی دعوت و پکار کو دبا دیتی۔ قرآن تو ایک موثر اور دلربا طرز بیان اور دریا کا سا تموج لے کر آیا تھا ساتھ ہی اسالیبِ کلام کا تفنن اور شہنشاہانہ شان و شکوہ کا مالک تھا۔ لذت و حلاوت کا یہ عالم تھا کہ بدترین دشمن اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سپر ڈال دیتے تھے۔ واقعات بالا شاہد ہیں صحابہ میں جو لوگ سلیم الفطرت تھے ان میں سے اکثر کا حلقہ بگوش اسلام ہونے کا واحد سبب صرف اس کلام مقدس کی آیات کا سننا اور اس سے عدد درجہ متاثر ہونا کتب احادیث و سیر میں ایک سے زاید واقعات موجود ہیں۔ مثلاً ابوذر غفاری، عثمان بن مظعون، ابو سلمہ، ارقم بن ارقم، طفیل بن عمرو الدوسی ابو عبیدہؓ، خالد الدوسیؓ، نجاشی اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں خلیفہ دوم نے اپنا واقعہ خود بیان فرمایا ہے کہ میں تمام لوگوں میں آنحضرت صلعم کا سب سے بڑا اور شدید دشمن تھا آخر میں میں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ سارا قصہ ہی کیوں نہ پاک کر دیا جائے چنانچہ میں ایک روز اسی ارادہ سے شمشیر برہنہ ہوکر راستہ میں بعض لوگوں سے کہا کہ تم کو پہلے اپنے گھر کی خبر

۱۔ اعجاز القرآن محمد صبیح المصری

بھی بے اختیاری بہن دین آباء واجداد سے پھر گئی ہے چنانچہ میں ٹوٹ پڑا اور دروازہ پر دستک دی اندر سے آواز آئی کون۔ جواب دیا عمر۔ یہ لوگ ایک صحیفہ پڑھ رہے تھے فوراً ادھر ادھر بھاگ گئے اور چھپنے لگے اندر جاکر پھر پوری ادھم مچائی بہن اور بہنوئی کو خوب زدوکوب کیا جب ذرا طبیعت سنبھلی کہا کہ کیا پڑھا جا رہا تھا۔ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات ایک صحیفہ پر لکھی ہوئی تھیں (جو موٹے حروف میں لکھا جایا کرتا تھا آج کل کی طرح حروف چھوٹے اور شائستہ نہ تھے)۔ سنائی گئیں الخ پھر خود ہی فرماتے ہیں فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع " اس کے بعد اسلام میرے دل کے اندر پورے طور پر اتر گیا یہ کون سی چیز تھی جس نے عمر جیسے ماہر کلام عرب اور عرب کے عکاظ کے میلے کی اکاڈمی کے ممبر، ناقد اور بصیر اشعار عرب پر اثر کر گئی؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جو زبان وحی الٰہی نے اختیار کی ہے ایسی ہی زبان اور ایسا ہی کلام تمام فصحاء عرب و بلغاء عدنان کے مخاطب کرنے کے لئے ضروری تھی جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آرا نے غیب کی نقاب الٹی اور اولاد آدم کو اپنے سے روشناس کیا اس کا برابر یہی دعوے رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے ٹھیک اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن میں وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے وہ تمام قوانین و طرق موجود ہیں جن سے آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں کی جا سکتی ہے — اور تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

دس سال کا زمانہ گذر گیا مگر قریش اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے برابر قائم تھے بلکہ استہزاء اور مذاق پر اتر آتے اور ہر ممکن طریقہ سے قرآن کے اثر کو ختم کر رہے تھے۔ اس عصبیت جاہلیہ سے آپ تنگ آ گئے اور طائف ہجرت فرمائی وہاں بھی اشرار نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ واپس تشریف لائے قیام مکہ ہی میں ادھر ادھر سے بہت سے وفود آتے رہتے آپ ان کے سامنے قرآن پیش فرماتے۔ انھیں لوگوں میں سے ایک شخص سوید بن الصامت تھا جو علم اور عقل میں کامل گنا جاتا تھا

قرآن سننے کے بعد کہا کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی چیز ہے جو آپ کے پاس ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کون سی چیز تیرے پاس ہے؟ سوید نے کہا لقمان کی حکیمانہ باتیں آپ نے فرمایا کہ پیش کرو

فقال لہ النبی اعرضہا علی فعرضہا علیہ فقال النبی ان ہذا الکلام حسن والذی معی افضل من ہذا قرآن انزلہ اللہ تعالیٰ علی ہو ہدی و نور

اس نے پیش کیا آپ نے فرمایا یہ کلام بھی اچھا ہے لیکن میرے پاس اس سے بہتر اور افضل کلام موجود ہے وہ قرآن کریم ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے مجھ پر اتارا ہے وہ سراپا ہدایت اور نور ہے

اس کے بعد چند آیات تلاوت فرمائیں جس کو سوید نے پورے دھیان اور توجہ سے سنا اور پھر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ "یہ کلام بہت خوب ہے"

غرض وفود آکر متاثر واپس جاتے اور قرآن کی دعوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس اثر کو اور زیادہ ترقی دینے کے لئے آنحضرت صلعم نے مصعب بن عمیرؓ کو قرآن کا پہلا معلم قرار دیا چنانچہ لوگوں میں آپ قرآن اور تعلیم اسلام پھیلاتے اور سکھاتے تھے اور بطور معلم "المقری" کے نام سے موسوم ہو گئے

قرآن مجید کا پہلا درس: آنحضرت صلعم سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں آئیں ان کی حفاظت ان کے علماء کے ذمہ تھی، اور وہ کتابت کا سلسلہ تھا قرآن عزیز کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ رکھی اور اس کی صورت پیغمبر اسلام نے حفظ اور زبانی یاد تجویز فرمائی حالانکہ قرأت اور کتابت جاننے والوں کی فہرست میں اولین نام حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و حضرت زبیرؓ کا موجود ہے۔ اور کتاب "الاسلام والحضارۃ العربیہ" سے ۴۲ اسماء کا تعین کا پتہ چل سکا ہے

اسی طرح قرآن حکیم سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آں حضرت صلعم کے قلب پر قرآن نازل ہوا اور آپ اس کے حفظ کے مکلف تھے اور ساتھ ہی آپ کا یہ بھی فریضہ تھا کہ آپ قرآن لوگوں کو یاد کرائیں، اس کے معانی و مطالب کی شرح و تبیین فرمائیں نہ یہ کہ محض کتابت، قرآن میں ہے، فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ (بقرہ)

(۳) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۔ (الشعراء)

(۴) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (الجمعہ)

اس موقع پر ہم ایک بات صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ قرآن میں لفظ "صحیفہ" اور دوسرا لفظ "قرطاس" آیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی بہن کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا اور قریش نے اقتصادی واجتماعی کاروبار کے لئے جو تحریر کیا تھا وہ بھی صحیفہ ہی کہا جاتا تھا اس لیے شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن صحف اور قراطیس کی صورت میں نازل ہوا ہو۔ اصل یہ ہے کہ صحف جمع ہے صحیفہ کی جس کے معنی لکھے ہوئے اوراق کے بھی آتے ہیں اور اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو پھیلی ہوئی، اٹھانے میں ہلکی اور جس پر آسانی سے لکھا جا سکے یعنی آج کل کی کتابوں کی طرح نہ ہو پس قرآن سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ قرآن نہ تو قرطاس میں نازل ہوا جیسے توریت اور نہ بطور حصر کے کہا جا سکتا ہے کہ تمام قرآن صحف اور قراطیس میں لکھا گیا تھا بلکہ قرآن تو صاف صاف اپنا بیان دے رہا ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۔ شرح اس کی یہ ہے کہ محمد صلعم نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں بلکہ یہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہی اور رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ و قراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے کیونکہ یہ صرف قرآن کا امتیازی وصف ہے اور کتابیں حفظ نہیں ہوتیں تحریف کا موقع مل گیا۔ یہ آیت کریمہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ حفظ ہی اصل واساس تھا اور ہے قرآن کے بقاء و تحفظ کا۔ ولیست التلاوۃ من صحف مسطورۃ۔

حفظ قرآن عہد نبوی میں | قرآن مجید کے حفظ اور تعلیم کا جو طریقہ آج جاری پایا جاتا ہے آنحضرت صلعم کے زمانۂ باسعادت میں یہ نقشہ نہیں تھا حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمیؓ صحابہ کرام کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلعم سے قرآن مجید کی دس دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ الفاظ کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی سیکھتے جاتے تھے جب ہم قرآن کا ایک حصہ ختم کرتے تو الفاظ و معانی کے ساتھ اس کے

طریقِ عمل سے بھی واقف ہوتے جاتے (ابن جریر) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم قران کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری اور کس کے متعلق۔ اگر مجھ کو یہ علم ہو جاتے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قران کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جاکر علم قران حاصل کروں تمام صحابہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ میں سب سے قران کی بابت زیادہ واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ (صحاح) ابوایوب انصاریؓ عبادہ بن الصامتؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابوزیدؓ۔ سالمؓ۔ ابودرداءؓ نے آنحضرت کی زندگی ہی میں قران حفظ کر لیا تھا موطا امام مالک میں حضرت عبد اللہ بن عمر کا قصہ درج ہے کہ آپ نے بارگاہِ رسالت میں ۸ سال تک سورہ بقرہ حفظ کی اور جب تک ایک ایک آیت کو خوب نہیں سمجھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے مسند احمد میں حضرت انسؓ کا یہ قول موجود ہے "کان الرجل اذا قرءَ البقرۃ وآل عمران جدّ فی اعیننا" جب کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نظروں میں اس کا مرتبہ زیادہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلعم نے جس طرح مردوں کے لئے تعلیم قران کا اہتمام فرمایا اسی طرح عورتوں کی تعلیم کے لئے حضرت سیدہؓ کو مخصوص کر دیا تھا۔ کیونکہ آیاتِ قرانی و احادیث نبوی قران کی تلاوت اور حفظ پر کثرت سے وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی بلا معنی سمجھے بھی تلاوت کرتا ہے اس کو بھی ثواب ہوتا ہے باقی یہ غلط منطق ہے کہ بلا سمجھے پڑھنا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس خیالِ خام کی تردید کے لئے قران مجید کی ایک آیت جس کا ترجمہ یہ ہے "جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماندہ نہ ہوگی تاکہ ان کی اجرتیں بھی پوری پوری دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں بے شک وہ بڑے بخشنے والے قدر دان ہیں (سورۃ فاطر)

اور ایک حدیث "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" (بخاری) "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قران کو سیکھے اور سکھاتے پڑھے اور پڑھائے۔ درج کر دی گئی ہے۔ فتامل

انھیں آیات واحادیث کی بنا پر سلف اور خلف نے حفظِ قرآن پر کافی توجہ فرمائی چنانچہ کتب لغت و متونِ حدیث سے حفظِ قرآن کو لفظ جمع، حمل، دعی، ایعار احکام، اظہار، استظہار اور حفاظِ قرآن کو آل القرآن، اہل القرآن، صاحب القرآن، جامع القرآن، داعی القرآن، ماہر، قاری در سفرہ سے تعبیر و موسوم کرتے رہے ہیں۔

قرآن کے لغوی و اصطلاحی معنی | اہل لغت نے حسب عادت لفظ "القرآن" پر مفصل کلام کیا ہے چند کو ذیل میں ہم درج کرتے ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ لفظ "القرآن" نہ تو مہموز ہے اور نہ مشتق ہے بلکہ علم ہے اور نام ہے اس کلام کا جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔

(۲) قراء کا خیال ہے کہ یہ قرائن سے مشتق ہے کیونکہ بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں

(۳) زجاج کا قول ہے کہ فعلان کے وزن پر یہ صفت ہے مہموز اور مشتق ہے لفظ قرء سے اہل عرب بولتے ہیں قرأت الماء فی الحوض اذا جمعته" اس لئے قرآن اس کلام کا نام ہوگا جو آنحضرت صلعم پر اترا اور تمام کتبِ سماویہ کا جامع ہے۔

(۴) لحیانی کہتا ہے کہ یہ لفظ مصدر ہے اور مہموز ہے غفران کے وزن پر پڑھنے کے معنی میں مگر بمعنی مفعول مستعمل ہو کر خدا کی کتاب کا نام ہوگیا ہے۔ اکثر لوگ اسی تحقیق پر ہیں۔ اب ہم ذیل میں چند آیات ایسی پیش کرتے ہیں جس سے قرآن کے معنی کی تعیین ہوتی ہے۔

(۱) لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ

نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع کر دینا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے (قیامہ)

آیت مذکورہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے ظاہری معنی اس موقع پر تلاوت اور قرأت کے ہیں اس آیت کے رو سے قرآن وہ کلامِ الٰہی ہے جو لوگ بار بار پڑھتے رہتے ہیں آیت سورہ قیامہ کے

معنی کی تائید سورۃ الاسراء کی اس مشہور آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

(۲) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا . . . . . إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔

آیات بالا سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ قران اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جس کو لوگ پڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی شرط نہیں کہ تلاوت لکھی ہوئی کتاب سے ہو۔

چند آیات اور ملاحظہ کی جائیں۔

(۳) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ (بقرہ)

(۴) وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (حجر)

(۵) طٰهٰ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (طہ)

(۶) وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ (نمل)

(۷) إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (واقعہ)

(۸) لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا (حشر)

(۹) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا (دہر)

(۱۰) وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ (احقاف)

مذکورہ بالا آیات سے اور بہت سی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قران نے لفظ قران کا استعمال اس کلام پر کیا ہے جو بطریق وحی محمد صلعم پر اترا ہے ہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قران صرف اسی کلام کا نام نہیں رکھا جائے گا جو بذریعہ وحی محمد صلعم پر نازل ہوا بلکہ اور بھی اس کے نام ہیں مثلاً صحف، الکتاب، الذکر، فرقان اور کلام اللہ۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قران ہی وہ پہلی کتاب ہے جس نے اپنا تعارف کرا کے مہر ثبت کر دی کہ الفاظ اور نظم و ترتیب سب من جانب اللہ ہے۔ قران میں ہے

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ — اور یہ قران اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کا لیکر اترا ہے

بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (الشعراء)

اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔

لفظ مبین سے مراد اس کے لغوی معنی نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ بطور علَم کے ہے۔ کیونکہ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ اسی زبان کو کہا گیا ہے جو فصیح ترین اور شیریں ترین زبان ظہورِ اسلام کے وقت اہل عرب کی تھی اسی طرح لفظ کلام کا اطلاق بھی عرف عام میں لفظ و معنی اور نظم و ترتیب سب پر ہوتا ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ (التوبہ)

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا

چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے بھی لوگوں سے قرآن کا تعارف کرایا ہے حدیث میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ موقف میں کھڑے ہوکر فرمایا کرتے۔

الا رجل يحملني الى قومه لابلغ كلام ربي فان قريشا منعوني ان ابلغ كلام ربي

کیا ایسا کوئی شخص ہے جو اپنی قوم کی طرف مجھ کو لے چلے تاکہ میں اپنے رب کا کلام پہنچا دوں کیونکہ قریش نے تو مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب "الم غُلِبَتِ الرُّومُ" سنائی تو کفار قریش نے پوچھا یہ تمہارا کلام ہے یا تمہارے صاحب کا؟ آپ نے فرمایا اور جواب دیا۔

ليس بكلامي ولا بكلام صاحبي ولكنه كلام الله

نہ یہ میرا کلام ہے نہ میرے صاحب کا بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں آتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ الخ

اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک پورا ہو چکے اس کا اترنا۔

غور کرو یہ آیت تو دلالت کر رہی ہے کہ قرآن ان الفاظ و معنی ہی کا نام ہے جو وحی کی صورت میں اترا

ہے اور قلبِ نبوی ہی اس کا نشیمن ہے۔ قرآن ہی وحی ہے اور القصہ وحی قرآن ہی کو کہا گیا ہے۔ لہٰذا وحی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمد صلعم کی روح اور قلب پر ایک ایسے مخفی طریقہ سے طاری کر دیا تھا جو تحصیل علم کے مشہور کسبی طریقوں سے مختلف اور ان الہاموں سے بھی جدا ہے جو بعض خواص پر نازل ہوا کرتے ہیں۔

اب ہم سورہ طٰہٰ اور سورۂ قیامہ کی مذکورہ بالا آیات کی کچھ اور وضاحت کر رہے ہیں تا کہ قرآن مجید کے دلائل خود قرآن ہی سے ہو جائیں۔

ابتدائے نبوت میں قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ قرآن مجید کے مخاطب تھے اولاً تو ان کی استعداد خام تھی دوسرے وہ نہایت بد شوق بلکہ قرآن سے بیزار تھے ایسی حالت میں حکمتِ الٰہی کا تقاضہ یہی ہوا کہ ان کی تعلیم آہستگی تدریج اور نرمی کے ساتھ ہو۔ لیکن کبھی کبھی جب فترۃ وحی کا زمانہ طویل ہو جاتا۔ آنحضرت صلعم کے لئے موجب تشویش ہوتا کیونکہ آپ کا تمام تر سرمایہ تسکین و اطمینان قرآن ہی تھا۔ اور آپ اپنی قوم کے ایمان کی بے پایاں آرزو رکھتے تھے اور اس کا تمام تر ذریعہ وحی الٰہی تھی۔ آپ کو تکمیل دین کی تمنا تھی اور تمنا قدرتاً مستعجل ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے نزولِ وحی کے وقت آپ کا جذبۂ شوق و طلب بے اندازہ ہوتا یہاں تک کہ آپ وحی کو زبان سے دہراتے کہ کوئی بات یاد سے رہ نہ جائے۔ آنحضرت صلعم کی اس حالت پر لسانِ غیب نے بار بار ٹوکا اور خداوندی امور میں مہلت اور تدریج کا جو معاملہ ہے اس کی حکمتیں بیان فرمائیں پس سورہ طٰہٰ کی آیت " وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ " میں اجمال کے ساتھ تدریج کی حکمت بیان فرما دی کہ یہ انسان کے ضعفِ عزم اور نا استواریٔ عہد کی وجہ سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ ایک ہی دفعہ میں سب کچھ پا لیتا۔

اسی حقیقت کو سورہ قیامہ کی آیت لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ الخ میں بیان فرمایا گیا ہے اس سورہ کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے جن حقائق و معارف کا اظہار فرمایا ہے اس کے استقصا کا یہ موقع نہیں نظام القرآن سورۂ قیامہ ملاحظہ کر لی جائے۔

البتہ استاد امام کی خاص تحقیق ہم یہاں پر درج کرتے ہیں جس سے تین باتیں نہایت واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

الاول ان القرآن یجمع فی عہد
النبی ویقرء علیہ بنسق واحد فانہ
لو انجز ہذا الوعد بعد عہد النبی
لم یأمرہ باتباعہ۔
والثانی ان النبی مامور بالقراءۃ
حسب ہذہ القراءۃ الثانیۃ التی
تکون بعد الجمع لیس للنبی ان یلقی
علیہ شئی من الوحی ولا یبلغہ
الامۃ عقلا ولما امرہ اللہ تعالیٰ
فی قولہ
"یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک
من ربک وان لم تفعل فما بلغت
رسالتہ" امرا عاما فلا بد ان علم
النبی الامۃ قراءۃ الاخیرۃ التی
علیہ القرآن فی اللوح المحفوظ
فان العرضۃ الاخیرۃ لا بد ان
تکون مطابقۃ بالاصل والثالث
ان بعد ہذا الجمع والترتیب
بین ما شاء اللہ بیانہ من تعمیم

(۱) قرآن آنحضرت صلعم کے عہد میں جمع ہو کر ایک خاص
ترتیب سے آپ کو سنا دیا جائے گا۔ اگر یہ وعدہ آپ
کی وفات کے بعد پورا ہونے والا ہوتا تو آپ کو اس
قراءت کی پیروی کا حکم نہ دیا جاتا۔ (فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ)
(۲) آپ کو حکم تھا کہ جمع قرآن کے بعد دوبارہ جس طرح
آپ کو قرآن سنایا جائے اس طرح آپ پڑھیں اور
یہ بات عقلاً و نقلاً دونوں لحاظ سے غلط معلوم ہوتی ہے
کہ آپ پر کوئی بات بطریق وحی آئے اور آپ اس کو
امت کو نہ پہنچائیں عقلاً تو اس کی غلطی بالبداہت واضح ہے
نقلاً قرآن مجید میں فرمایا ہے یا ایہا الرسول بلغ الخ
یہ ایک عام حکم ہے اس حکم عام کا تقاضہ ہے کہ آنحضرت
صلعم نے امت کو اس ترتیب کے مطابق قرآن سنایا
ہو جس ترتیب پر اس کی آخری قرأت ہوئی اور جو یقیناً
لوح محفوظ کی ترتیب ہے کیونکہ آخری قراءت کا اصل
کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہونا ضروری ہے۔ تیسری بات
یہ نکلتی ہے کہ اس جمع و ترتیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے
وہ باتیں بھی بیان فرما دیں جو تعمیم و تخصیص و تحریف
و تکمیل سے تعلق رکھتی تھیں۔

والتخصیص والتکمیل والتخفیف ؎۱

پھر فرماتے ہیں: "یہ باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں اور ان کی تائید روایات سے ہوتی ہے کہ یہ تمام باتیں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم قرآن مجید کی پوری پوری سورتیں لوگوں کو سناتے تھے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ آپ کو وہ اس خاص ترتیب پر سنائی گئی ہوں اور صحابہ اسی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کو سنتے اور محفوظ کرتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ آپ خاص خاص آیتوں کو سورتوں میں خاص خاص مقامات میں لکھواتے تھے اور صحابہ اس کی پابندی بھی فرماتے تھے اور پھر جب کوئی تشریح کرنے والی آیت اترتی تو آپ اس کو بھی قرآن مجید میں لکھواتے اور ان کے لکھوانے میں دو طریقے ملحوظ تھے یا تو وہ ان آیات کے ساتھ ملا دی جاتیں جن کی تشریح کرتیں یا سورہ کے آخر میں رکھ دی جاتیں اگر ان کا تعلق سورہ کے مجموعی مضمون سے ہوتا۔

ان تشریح کرنے والی آیتوں کی ایک اور نمایاں علامت بھی قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں خود اس طرح کے الفاظ موجود ہوتے ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ یہ تشریح و بیان کے لئے نازل ہوئی ہیں مثلاً اس طرح کی آیات کے ساتھ اکثر فرمایا گیا ہے "کذلک یبین اللہ آیاتہ للناس"

اس طرح جب قرآن نازل ہو چکا تو آخر میں حضرت جبرئیل نے آپ کو پورا قرآن اس کی اصلی ترتیب کے مطابق سنا دیا یہ بات صحیح اور متفق علیہ روایات سے ثابت ہے اور اس سے نظام قرآن کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہوتی جا رہی ہیں۔"

قرآن مجید کی اس آیت کِتَابٌ عَزِیْزٌ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ اور دوسری آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب الٰہی میں کسی کمی بیشی اور تبدیلی کا امکان تک نہیں ہے۔ اور حضرت مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن عزیز عہد نبوی صلعم میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ نے اس کو آنحضرت صلعم پر متعدد

؎۱ تفسیر سورۃ القیامہ من نظام القرآن ص ۱۵

بار پڑھا اور سنایا تھا یہ وہی قرآن مجید ہے جو بجنسہٖ آج ہمارے پاس محفوظ و موجود ہے۔ علامہ طبرسی جو امامیہ کے مسلم الثبوت امام ہیں مجمع البیان جلد اول میں لکھتے ہیں "ان القرآن کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجموعا مولفا علی ما ھو علیہ الآن ...... وان جماعۃ من الصحابۃ ختموا القرآن علیہ عدۃ ختمات"۔ سید مرتضیٰ، شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ محمد بن علی بن بابویہ قمی کہتے ہیں "ہمارا اعتقاد ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا وہ وہی ہے جو ما بین الدفتین امت کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید اس سے زیادہ ایک حرف نہیں تھا جو شخص ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم قرآن مجید کے اس سے زیادہ ہونے کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے[1]"

اسی بنا پر علامہ ابن حزم کی ملل ونحل جلد دوم میں یہاں تک موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی وفات ہو جانے پر ایک لاکھ قرآن مجید مصر، عراق، شام، یمن وغیرہ میں پھیل چکے تھے۔ لوگ اس کی تلاوت، تعلیم، تفسیر وغیرہ میں مصروف تھے۔

قرآن کریم اللہ حی و قیوم کا کلام ہے جس سے روح القدس جبرئیل امین علیہ السلام کا اس کے سوا کوئی تعلق نہیں کہ انھوں نے اسے عربی لفظوں کے ساتھ افق اعلیٰ کے آسمان سے لاکر اس زمین پر پہنچا دیا اور جس سے محمد رسول اللہ و خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ کا تعلق اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ نے اسے لوگوں تک پہنچا دیا کہ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ بس یہ قرآن اپنے لفظ ترتیب، اسلوب، علوم، ہدایت ہر لحاظ سے تمام مخلوق کے لئے معجزہ ہے خود محمد صلعم کی قدرت سے باہر تھا کہ اپنی کوشش، معلومات، فصاحت، بلاغت کے زور سے اس قرآن کی جیسی کوئی سورت پیش کر سکیں۔

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم جب قرآن تلاوت فرماتے یا آپ پر قرآن پڑھا جاتا تو گریہ طاری ہو جاتا۔ صحاح میں حضرت ابن مسعودؓ کا سورۃ نسا کی آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ

---

[1] اس کتاب کا قلمی نسخہ قصبہ سرائمیر اعظم گڈھ میں میری نظر سے گذرا ہے۔ کتب خانہ حکیم سید مہدی حسین صاحب مدنظام القرآن

اُمّید بِشَهِیْدٍ الخ کا پڑھنا بتاتا ہے کہ آپ کی آنکھیں بہہ پڑیں اور آپ نے فرمایا حسبک الآن"
اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں آپ کے الفاظ کو دخل نہیں اور نہ کبھی آپ اپنے الفاظ سے
اس درجہ متاثر ہوئے یہ اللہ ہی کے کلام اور اس کے الفاظ و معنی کی خوبی و برکت ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ
کے کلام ہی کا یہ جادو دار اثر تھا کہ قریش نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منع کر دیا تھا کہ وہ مسجد حرام میں
قرآن کو نہ پڑھا کریں کیونکہ اس سے لوگوں کے دل خود بخود مائل ہوتے اور کھنچے جاتے ہیں۔ کلام الٰہی
کی جہانگیری ہی کا تو یہ عالم تھا کہ ولید بن مغیرہ کو یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی کہ قرآن ایک
ایسا حق ہے جو غالب رہنے والا ہے اور اس پر کوئی اور چیز غالب نہیں ہو سکتی ہے اور قرآن ہر دوسری
چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دینے والا ہےؑ۔

یہ اثر اور نفوذ الفاظ و معنی خداوندی کے خصائص میں سے ہے اور منجملہ بہت سی آیات کے
اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ سب سے بڑا قرینہ ہے کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ تعالیٰ ہے گو فرشتہ کے توسط
سے ہوا اور آں حضرت صلعم نے الفاظ و معنی کو تلقین فرما کر اسی کی تعلیم بھی دی کیونکہ یہ قرآن بلا شبہ وہی
قرآن ہے جو ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا تھا اور جو خدا کی طرف سے رمضان المبارک کی راتوں میں
نازل ہوا تھا۔ قرآن خود شہادت دیتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ
لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زبان سے اعلان کرایا جا رہا ہے اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ یعنی
یہ قرآن اپنے الفاظ و معنی کے ساتھ مجھ پر اترا ہے۔ تلاوت اور تبلیغ آیات جس طرح میرے فرائض میں
ہے اسی طرح تعلیم اور تبیین آیات بھی ہے میں قرآن کو بجنسہ پہنچانے پر مامور اور مکلف ہوں اور جہاں
کہیں ضرورت ہوتی ہے اس کی شرح و تفسیر بھی کر دیتا ہوں یہ شرح و تفسیر وحی غیر متلو ہے نہ کہ
عین وحی الٰہی۔ اگر ایسا ہوتا کہ میں نے خداوندی مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے تو کیا فصحائے
عرب و عدنان ایک بات بھی جواباً پیش کرنے میں قاصر ہوتے اور قرآنی تحدی و چیلنج کے سامنے سپر
ڈال دیتے ہ

لہ الوحی المحمدی الرشید رضا مرحوم

(باقی آئندہ)

وزیر مامون احمد بن یوسف

از

ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

(۳)

احمد کس طرح ان ماحول میں رچی ہوئی عیش پرستیوں سے بچ سکتا تھا پھر بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اپنی انفرادی زندگی میں وہ عام سطح سے کافی بلند تھا اور اس کا خاص سبب اس کی تربیت اور اس کے گھر کے روایات تھے اس کا باپ یوسف اور اس کا دادا قاسم اپنی اپنی زندگیوں میں کافی معتدل تھے اس کے دادا کی بابت تو یہ تصریح موجود ہے کہ اس نے اپنی ماں کی فہمائش پر شراب پینی چھوڑ دی تھی اور مرتے وقت تک پھر کبھی نہ پی اس ترک میں زیادہ تر خاندانی و اقتصادی مصلحتیں پوشیدہ تھیں اس واقعہ کا راوی اس کا پوتا ہے وہ کہتا ہے: "میرا دادا جب (عباسی دفتر کے ساتھ کوفہ سے) بغداد آیا تو دوست احباب کی صحبت میں خوب پینے پلانے لگا ایک دن اس کی ماں نے کہا بیٹے تمہیں معلوم ہے ہمارا کنبہ کتنا بڑا ہے اور تمہارے اوپر کتنا بار ہے۔ اگر تم نے شراب (نبیذ)[1] نہ چھوڑی تو ہم برباد ہو جائیں گے اور دنیا میں تمہاری جو رسوائی اور آخرت میں تم کو جو سزا ملے گی وہ الگ بیٹے۔ وہ شاعر تھے لیکن انھوں نے بوہیں کی جس سے شاید ہی کوئی شعر گو بچا تھا اور ان کے جو حالات ہم کو معلوم ہوتے ہیں ان سے ان کی سنجیدگی اور سلامت روی کا پتہ چلتا ہے لیکن جس طرح تمدن کے جلوے اور عشرت کی رنگینیاں ترقی کرتی گئیں اسی طرح خاندان کے ہر مؤسس کی امت بھی خوبیاں کھوتی اور خرابیاں اختیار کرتی گئی قاسم کے مقابلہ میں یوسف اور یوسف کے مقابلہ میں احمد اور احمد کے مقابلہ میں اس کا لڑکا عبداللہ اس

---

[1] ایک ہی لفظ سے اس دور کی شراب نوشی کی مبالغہ آمیز داستانوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے فی الحقیقت اس دور میں نبیذ نوشی اور شراب خواری میں بہت تراوت تھی تھانہ معنوی (برہان ۳ صوبی صلا)

سلامت روی میں کرتے گئے جن کے لئے قاسم ممتاز تھا۔

خطیب بغدادی ۴۶۳/ھ نے احمد کی ذہنی، ادبی اور فنی قابلیت کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

"احمد مامون کے قابل ترین، خوش فہم ترین، ذکی ترین اور زیادہ سے زیادہ خوبیوں والے سکریٹریوں میں تھا، اس کی گفتگو عمدہ ہوتی، اس کی زبان رواں تھی، اس کے الفاظ خوبصورت ہوتے، اس کا خط دیدہ زیب تھا، غزل، مدح، ہجو میں شعر کہتا تھا، اس کے قصے ابراہیم[1] بن مہدی، ابوالعتاہیہ، محمد بن وغیرہ کے ساتھ مشہور ہیں۔"

سابق سکریٹریوں کی ادبی لیاقت کے بارے میں عباسی سکریٹریوں کی ایک مجلس میں جب گفتگو ہوئی تو سب نے متفقہ طور پر شہادت دی کہ عباسی دور میں احمد اور ابراہیم بن عباس سے زیادہ ادیب اور بلیغ کاتب (سکریٹری) کوئی نہیں ہوا۔ نیز یہ کہ شعر گوئی میں اس عہد کے سکریٹری شعرا میں احمد کا نمبر چوتھا ہے (شروع کے تین ابراہیم بن عباس، عبدالملک زیات، اور حسن بن وھب ہیں)[2] عباسی دور کے ایک ناقد نے کہا: "ہم کہا کرتے تھے کہ محمد بن عبدالملک زیات (متوکل کا وزیر جس کو اس نے قتل کیا) سے پہلے کوئی وزیر احمد سے اچھا شاعر نہیں ہوا[3]" کتاب الاوراق کے مصنف صولی کے دادا نے، جو نہایت عمدہ شعر و سخن کا ذوق رکھتا تھا، یہ رائے دی: نثر و نظم یوسف کے لڑکوں میں بٹ گئی احمد نثر میں اور قاسم (اس کا بڑا بھائی جو جانوروں پر نہایت عمدہ شعر کہتا تھا) نظم میں سب سکریٹریوں سے بازی لے گئے[4]" کہا گیا ہے کہ دس شخص بلاغت میں بے مثال گذرے ہیں ان میں سے ایک احمد تھا[5]۔

صولی نے احمد کے دو صفحے کچھ اوپر شعر دیے ہیں، یہ چیدہ شعر ہیں اور سب کے قریب ان کی توقیعات (توقیع اس الفاظ میں مختصر معنی میں مفصل (یعنی بلیغ) حکم کو کہتے تھے جو وزیر یا خلیفہ سرکاری کاغذات پر ثبت کرتا تھا) خطوط اور بات چیت کے نمونے دئے ہیں ان میں سے پچاس شعر بطور تحفہ ثبت

[1] ابراہیم خلیفہ مہدی کا لڑکا تھا، گانے بجانے کا ماہر تھا، شعر گوئی، موسیقی اور تفریح اس کے خاص مشاغل تھے جب مامون نے حضرت علی کے خاندان کے ایک فرد کو خلافت کے لئے نامزد کیا تو عباسی ماندہ گئے اور مامون کی بیعت منسوخ کرکے ابراہیم کو خلیفہ بنادیا (مامون اس وقت خراسان میں تھا) اور مامون کے وزیر فضل کو قتل کرادیا۔ [2] صولی ص۲۵ [3] صولی ص۲۲ [4] صولی ص۳۵ [5] اقتباس از مقدمہ رسائل البلغاء،